۱۹۴۷ء میں کراچی آئے۔ ۱۹۴۸ء کے اوائل میں سنڈیمن ہائر سیکنڈری سکول کوئٹہ میں تعینات ہوئے۔ اسی سال جب یہ سکول گورنمنٹ کالج بنا تو بحیثیت لیکچرار جغرافیہ کالج سے وابستہ ہو گئے۔ اس وقت کالج کا تدریسی عملہ آغا احمد حسین، آغا صادق، انور رومان، ش صحیٰ اور نوشہ حسین نقوی پر مشتمل تھا۔ دیگر حضرات (خلیل صدیقی، سعید احمد رفیق، عزیز الدین وغیرہ) بعد میں تشریف لائے تھے۔

آپ ۱۹۵۴ء تک گورنمنٹ کالج کوئٹہ میں جغرافیہ کے لیکچرار رہے۔ پھر کراچی اردو کالج اور کراچی یونیورسٹی کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز رہے اور خاموشی کے ساتھ علمی خدمات انجام دیتے ہوئے ۱۹۶۸ء کے آخر میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

ش صحیٰ کی پہلی نظم جو کوئٹہ میں لکھی گئی تھی، اس کا عنوان تھا: ''علامہ اقبال کی خدمت میں''(۴) اس میں جذبات کی شدت کے ساتھ ساتھ رعنائی بیان کی بلندی و تازگی اور اقبال کی تصانیف اور اشعار کے فنکارانہ ذکر نے نظم میں ایک امتیازی رنگ پیدا کر دیا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس میں وہ واقعیت جھلکتی ہے جو اردو شاعری میں عام نہیں:

میں تیری یاد میں گلہائے عقیدت کے عوض
مے خوناب سے لبریز سبو لایا ہوں
''بال جبریل'' کی سوگند تجھے، دیکھ تو لے
تیرے جاں باز شہیدوں کا لہو لایا ہوں!
یہ انہیں کا ہے لہو جو تھے غلام ابن غلام
جن کی گفتار میں شوخی تھی نہ کردار میں آگ
آج اونچا ہے ہمالہ سے بھی پرچم جن کا
آج کی ہر بات میں للکار ہے، تلوار میں آگ
تو نے تاریخ کی زلفوں میں کیا تھا شانہ
ہم نے صندل کے عوض خون جگر گھول دیا!
تیری آواز کی تاثیر تھی یا ضرب کلیم
ہند میں شوکت اسلام کا در کھول دیا
قرطبہ جا کے لئے تھے جو آنسو تو نے
مہر و مہ بن کے کراچی میں درخشاں ہیں آج!

فرط غم یہ ہے کہ مژدہ یہ سنائیں کس کو
مور بے مایہ نہیں ہم تو سلیماں ہیں آج
کھول دے روزن فردوس، خودی کے صدقید
اپنے دیرینہ نشیمن کی بہاروں کو تو دیکھ
دیکھ کشمیر کی وادی میں تبسم اپنا
سربکف مرد مجاہد کی قطاروں کو تو دیکھ

(۳) پروفیسر شرافت عباس:

پروفیسر شرافت عباس (۵) ۲۵ سال کے لگ بھگ جامعہ بلوچستان کوئٹہ میں اردو زبان اور ادبیات، صحافتی اردو اور فارسی ادبیات کے استاد رہے۔

علامہ اقبال کے حوالے سے ان کے فیچر، فکری پہلو اور غنائیت کا امتزاج ہیں اور ان کی نظموں میں بھی یہی اوصاف پائے جاتے ہیں۔ آپ نامور شاعر، ادیب، مقرر، محقق، نقاد، مترجم اور دانشور ہیں۔ علمی وادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ ان کی کشمیر کے حوالے سے خصوصی نظم پیش خدمت ہے۔ (۶)

ترا کشمیر! اے اقبال پھر آتش بد اماں ہے
وہ تیری جنت ارضی کہ جس کے مرغزاروں میں
بہاریں جھومتی تھیں اور نظارے مسکراتے تھے
وہ جھیلیں جن میں شب کو چاند سی پریاں اترتی تھیں
وہ قریے جن میں دن کو ماہ پارے مسکراتے تھے
وہ سبزہ زار جن میں دوستی کے پھول کھلتے تھے
جہاں پر آشتی اور امن کے چشمے ابلتے تھے
مرے اقبال وہ کشمیر اب آتش بد اماں ہے
نہ کوئی شعلۂ رخسار نے آتش بجاں کوئی
نہ غنچوں کی چٹک ہے اور نہ موج گلفشاں کوئی
اگر تو آج دیکھے وادی کشمیر تو کہہ دے
کبھی اتری نہیں اس سرزمین پہ کہکشاں کوئی

تیرے اشعار میں کشمیر گو رشک گلستان ہے
مگر وہ آج اک مقتل ہے اک گنج شہیداں ہے
ترا کشمیر اے اقبال پھر آتش بد اماں ہے
جنم لیتے تھے جس وادی میں حسن وعشق کے نغمے
مرے اقبال اب اس پر سکوت مرگ طاری ہے
جہاں کل، رقص کرتے تھے سیاہ چشماں کشمیری
وہاں اب رقص خون وآتش سفاک جاری ہے
اہنسا کے پجاری قتل وغارت کی علامت ہیں
رخ انسانیت پہ داغ نفرین وملامت ہیں
ترا کشمیر اے اقبال پھر آتش بد اماں ہے
ترے کشمیر پہ ایسے درندوں کی چڑھائی ہے
جو ہر تقدیس ساری حرمتیں پامال کرتے ہیں
وہ جن کے ذکر سے شرم و حیا کو شرم آتی ہے
ردائیں چھینتے ہیں عصمتیں پامال کرتے ہیں
درندے روندتے ہیں وادی امن ومحبت کو
کوئی ہے جو صدا دے دعویداران اخوت کو
ترا کشمیر اے اقبال پھر آتش بداماں ہے
کہاں ہیں وہ کہ جو انسانیت کا درد رکھتے ہیں
کہاں ہیں وہ کہ جو جمہوریت کے گیت گاتے ہیں
بلاؤ ڈان کو جو کہتے ہیں سب انساں برابر ہیں
بلاؤ ان کو آزادی کے جو پرچم اڑاتے ہیں
انہیں محشر سے پہلے کا یہ عکس دکھلاؤ
انہیں دم توڑتی انسانیت کا رقص دکھلاؤ
ترا کشمیر اے اقبال پھر آتش بداماں ہے

کہا اقبال نے اے سادہ و ناداں وطن آساں
میں ساری زندگی جس بات کا پرچار کرتا تھا
یقین واتحاد واتفاق وہمت وغیرت
یہی ہے اسلحہ تیرا ولیکن تو نہیں سمجھا
یہی ایمان کی دولت یہی میری امانت ہے
تری تلوار ہی تیرے تحفظ کی ضمانت ہے
سو اب بھی وقت ہے اس بات کی تہہ تک پہنچنے کا
وفائے ''واشتۂ'' پیرک افرنگ'' دھوکہ ہے
اسے ٹھکرا خودی کو راہبر چن لے ، جواں ہو جا
دل زندہ ہے سینے میں تو پھر کیا تجھ کو خدشہ ہے
شکستہ کشتیاں کب سینۂ دریا پہ چلتی ہیں
ابھرتی ہیں وہی قومیں جو طوفانوں میں پلتی ہیں
اٹھا وادیوں میں شور دار وگیر بسم اللہ
بڑھا رہوار ہمت جانب کشمیر بسم اللہ
بتوں نے پھر کیا ہے رخ سواد کعبہ جاں کا
دل وحشی لگا پھر نعرۂ تکبیر بسم اللہ
کچل پایا ہے کوئی جذبۂ پر شور آزادی
کوئی پہنا سکا ہے عشق زنجیر بسم اللہ
قدم ثابت مجاہد جنگ میں تنہا نہیں ہوتا
مدد کو ساتھ ہے فیروزیٔ تقدیر بسم اللہ
ہوے ہیں پھر مقابل کفر واستبداد کے مرحب
اٹھا اے مرد مومن حیدری شمشیر بسم اللہ
پیام شاعر مشرق بنام قوم کشمیری
نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

(۴) عرفان الحق صائم:

معروف، نامور شاعر، قلمکار، تجزیہ نگار، کالم نویس، قطعہ نویس، تاریخ گو اور اقبال شناس ہیں (۷)، ان کی چند نظموں کے اشعار درج ذیل ہیں۔(۸)

ا۔سلام تم پر (غزہ کے محصورین کے لیے) (ایک نظم)

صعوبتیں ہیں اٹھائیں بے انتہا جو تم نے
بلند پھر بھی کیا ہے نام خدا جو تم نے
ہر ایک انساں کے بس کی یہ بات ہے بھلا کب
نہ جانے رب نے تمہاری قسمت میں کیوں لکھا سب
نہ کوئی خوراک ہے نہ بیمار کی دوا ہے
ہر ایک بیمار کو دعاؤں کا آسرا ہے
وطن کی مٹی کی تھی جو خوشبو وہ کھو گئی ہے
فضا میں شامل جو بوئے بارود ہو گئی ہے
فلک سے بارش بھی گر ہوئی ہے تو راکٹوں کی
صدائیں معدوم ہوتی جاتی ہیں دستکوں کی
ہزاروں بچے، ہزاروں بوڑھے، ہزاروں مائیں
ہزاروں چیزوں سے رہ کے محروم مسکرائیں
انہیں خبر ہے شہید ہونا ہے ان کو اک دن
وطن کی مٹی میں جاکے سونا ہے ان کو اک دن

۲۔ ایک دوشیزہ:

ایک دوشیزہ بہت ہی دلربا مہرباں ہے حسن بھی جس پر سدا
اس کی صورت دیکھنے میں بے مثال حسن گویا ہر طرح سے لازوال
دیکھنے میں بھی کوئی جنت کی حور جو بھی دیکھے دل میں آجائے فتور
ہے وہ دوشیزہ مسلماں دوستو پختہ تر ہے جس کا ایماں دوستو

قیمتی زیور کیے ہے زیب تن جن سے اترا اور اس کا بانکپن
نرغۂ نا محرماں میں ہے وہ اب رات دن ڈھاتے ہیں جو اس پر غضب
دیکھتی رہتی ہے آزادی کے خواب بہتا ہے آنکھوں سے نیلم بن کے آب
اپنا نعرہ کہتی ہے پاکستان کو مانتی ہے اس کے احسان کو
اس کے ہر اک فرد کو محرم کہے دشمن جان کو برا ہر دم کہے
قید ہی اس کی جوانی کھا گئی اب تو زلفوں میں سفیدی آ گئی
ماند پڑنے کو ہے حسن لازوال بن گئی ہے زندگی اس کی سوال
پوچھتی ہے اب ضمیر دہر سے کب وہ پائے گی نجات اس قہر سے
ہے کوئی جو اس کو آزادی دلائے قبضۂ دشمن سے جو اس کو چھڑائے

پاؤں میں اس کے پڑی زنجیر ہے
نام اس کا دوستو کشمیر ہے

۳۔ قطعۂ (تاریخ شہادت مقبول بٹ)

وہ جس نے لہو دے کر جوانان وطن میں
تازہ کیا آزادی کے جذبوں کو دوبارہ
کی جس نے سردار غلامی کی مذمت
اور طوق غلامی وہیں جان دے کے اتارا
اس وادی کشمیر کا وہ مہر درخشاں
ڈوبا تو اسے ہر کس و ناکس نے پکارا
اے وادی کشمیر کے مقبول مجاہد
تو بھی جو نہیں ہوگا تو کیا ہو گا ہمارا
مقبول کہیں دور چلا جائے گا اک دن
کشمیر کے لوگوں کو نہ ہر گز تھا گوارا
کچھ فکر جو تاریخ شہادت کے لیے کی

اظہار خیال کرتے ہیں۔

۱۔ اے فلسطینی بچہ

براہوئی ادب سے، (تخلیق غمخوار حیات، ترجمہ: مطلب مینگل)

اے فلسطینی بچے
میں ساتھ ہوں
تمہارے زمین کی دکھ میں
ہو جاؤ تم بھی شامل میرے یاسمین کے درد میں
اے فلسطینی بچے
درد کی طرح میرا درد بنا
ہوں شکار ظلم کا اک زمانے سے
میں بھی تو ظالم کے ظلم کا مارا
اے فلسطینی بچے
آج تمہارا راستہ کتابیں خون سے بھرے ہے
کھیل کے میدان میں بھی
بارود بھرے ہیں
یہاں بھی راکھ بنے ہیں
ہر جگہ خیمے ہمارے
اے فلسطینی بچے
میں نے تیرے پھول جیسے چہرے پر
دیکھا ہے زخم جگہ جگہ
سنا ہے تمہاری چیخ و پکار
میں بھی تو تمہارے معصوم چیخوں
کی گرداب میں زندہ ہوں
اے فلسطینی بچے

صائم کو ہوا آخری مصرعے کا اشارہ
دل نے کہا کشمیر کی قسمت کے فلک پر
چمکے گا اک آزادی کا رخشندہ ستارہ (۱۹۸۴ء)

۴۔ تضمین اقبال (لبنان و فلسطین کے حوالے سے)

جوزیست کو ہر صورت کرتے ہیں خراب آخر ٹوٹیں گے کسی دن تو ان پر بھی عذاب آخر
بارود کے خرمن ہیں کھلتے ہیں گلاب آخر افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر، اٹھتے ہیں حجاب آخر
لبنان و فلسطیں پر دن رات ستم کیا ہے دیکھ ان کی جبینوں پر، آخر یہ رقم کیا ہے
صیہونی شیاطیں کا اب اگلا قدم کیا ہے میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس ورباب آخر
اسلام کے شیدائی شیطاں کے حوالے ہیں ہاتھوں میں جبھی ان کے نیزے ہیں نہ بھالے ہیں
گر ہیں تو فقط یارو خالی جو پیالے ہیں میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر
اپنے ہی دلوں میں گر آجائے کوئی دوری یکجہتی امت کی کیسے ہو دعا پوری
کیسے ہو بھلا پیدا پھر جذبۂ منصوری کیا دبدبۂ نادر کیا شوکت تیموری
ہوجاتے ہیں سب دفتر غرق مئے ناب آخر
اس دن سے مسلماں پر زحمت کی گھڑی آئی لگتا ہے ہر اک دل پر غیرت کی گھڑی آئی
گویا کہ عزیزو اب نصرت کی گھڑی آئی خلوت کی گھڑی گزری، جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوش سحاب آخر

(۵) مرد مجاہد: (تسنیم صنم نامی گرامی شاعرہ)(۹)

بچپن سے اک لفظ مجاہد سنتے تھے
مطلب سے ناواقف تھے
وقت نے پھر تصویر بنائی ذہنوں میں
تھے تو پاکیزہ سے چہرے

لیکن کوئی ایک بھی چہرہ
ذہنوں میں محفوظ نہ تھا
جیسے گھوڑے پہ بیٹھا ہو کوئی عرب تلوار لیے
جس کی ڈاڑھی میں بال سفید کئی
جو چٹیل میدانوں میں
گھوڑا دوڑاتا پھرتا ہو اور تلوار چلاتا ہو
جب سے ہوش سنبھالا
لیکن سنتی ہوں نو عمر مجاہد
کٹتے ہیں کشمیر میں ہر دن
آج کٹے دس ، گزرے کل تو بیس کٹے تھے
آنے والے کل کی خبر معلوم نہیں
یہ ہے قبرستان شہیدوں کا جس کے
اک گوشے میں بیٹھی سوچ رہی ہوں میں

۲۔ اے وادی کشمیر

وادی کشمیر، میری ہفت اقلیم جہاں
ظلم بھی تجھ کو نہ کر پایا جہاں سے بے نشاں
تیرے بیٹے تیرا دامن ضوفشاں کرتے رہیں
اپنے خون دل سے تجھ کو جاوداں کرتے رہیں
تیری مائیں، تیری بہنیں، بیٹیاں ماتم کناں
یہ کوئی بارش ہے یا پھر رو رہا ہے آسماں
تیرے بیٹوں کا لہو ہر گز نہ ہوگا رائیگاں
ختم ہوجائے گا آخر ایک دن یہ امتحاں
دیکھنا زنجیر اک دن ظلم کی کٹ جائے گی
تیری آزادی ترے گھر آپ چل کر آئے گی

تیرے پیڑوں پر لگیں کڑوے ثمر ممکن نہیں
کم ہو ماؤں کی دعاؤں میں اثر ممکن نہیں
گونج اٹھیں گے ترانے جنت دلگیر میں
جب شکستہ پا عدو ڈھے جائے گا کشمیر میں
کاٹ ڈالیں گے تری جانب بڑھیں گے جو قدم
تیری عظمت پر نچھاور ہو صنم کے سو جنم

۳۔ **کشمیر اک آزاد وطن**

کشمیر کے سب ہیرو جواں ہی نہیں کہتے
یہ بات وہاں سارے چناروں پہ رقم ہے
کشمیر اک آزاد وطن بن کے رہے گا
کشمیر کی ہر ایک دکھی ماں کی قسم ہے

۴۔ **غزہ اور اہل غزہ**

یہ بات سچ کہ مسلمان ہیں وہاں محصور
یہودیوں پہ فلسطین پھر بھی غالب ہے
وہاں سے اٹھے گا اک انقلاب ہر صورت
غزہ غزہ سے بنا شعب ابی طالب ہے

(۶) **ڈاکٹر علی کمیل قزلباش:**

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش پشتو، اردو اور فارسی میں شاعری کرتے ہیں(۱۰) اس کے علاوہ تنقیدی مضامین، افسانہ، انشائیہ، خاکہ وغیرہ بھی لکھتے ہیں۔ ان کی تخلیقات پاکستان اور ملک سے باہر کے مؤقر ادبی رسائل اور اخبارات میں شائع ہوتی ہیں۔ ادبی اور ثقافتی کالم نگاری اور تراجم میں خاصی شہرت کے مالک ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی میں کمپیرنگ اور دوسرے ادبی پروگرام بھی کرتے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں شاہکار پشتو افسانے ''اردو تراجم پر مشتمل کتاب شائع ہوئی تھی۔ موجودہ مقالے کے موضوع پر پشتو (۱۱) اور اردو میں اظہار خیال ملاحظہ فرمائیے:

قیس ابن عاصم کے نام

تجھے اعزاز حاصل ہے
کہ پہلی بار تو نے غیرت عہد جہالت میں نیا اک باب کھولا تھا
تجھے اعزاز حاصل ہے
کہ تو نے اپنی بیٹی کو کیا تھا دفن مٹی میں
(خود اس کی زندگی ہی میں)
اور اس نے دفن دفن ہونے سے ذرا پہلے
تیرے چہرے سے وہ مٹی بھی جھاڑی تھی۔
جو اسکے قبر ہی کی تھی
گلا تجھ سے نہیں ہم کو
تو جاہل تھا، تو ظالم تھا، درندہ تھا،
نوید صبح تجھ کو کب سنائی تھی محمد ﷺ نے
مگر یہ اب تیری اس قوم کو کیا ہو گیا ہے
جو تری غیرت سے بھی خالی ہے عاری ہے
اور اس نور مجسم کی ہدایت سے بھی بے بہرہ
کہ انکی مائیں، بہنیں، بیٹیاں
سب کو درندے ہر طرح پامال کرتے ہیں
انہیں معلوم ہے سب کچھ، جو ان کا حال کرتے ہیں
مگر انکو خبر تک بھی نہ ہو جیسے،
یا پھر شاید۔
کیا ہے دفن ان سب نے تیری طرح یونہی زندہ
اٹھا کر اپنی غیرت کو
اور اس غیرت نے انکے چہروں سے وہ گرد بھی جھاڑی نہیں
تا کہ انہیں پہچاننے میں پیش نہ آئے کوئی مشکل

کسی کو بھی۔ کسی کو بھی۔

۲ کشمیری مجاہد (پشتو سے ترجمہ)

اک خدا، پیمبر اک
بندگی خداؤں کی
رد کئے ہوئے ہیں ہم
لا الہ الا اللہ
بے دخل ہوئے ہیں جو
ہم گھروں، زمینوں سے
اپنے ہم نشینوں سے
دوریاں، جدائیاں آج
ہوگئی ہیں قسمت تو
یہاں لے آئیں
اسکی وجہ ہے معلوم
لا الہ الا اللہ
گھر اجڑ گئے اپنے
سب بچھڑ گئے اپنے
دور مائیں بیٹوں سے
بیٹیاں بھی باپوں سے
بے سہارا ہیں بوڑھے
مر گئے جواں سارے
اسلئے کہ کہتے تھے
لا الہ الا اللہ
غم کسی کو کھاتا ہے
بچوں کے بلکنے کا

کوئی فکر میں بے بس
گمشدہ جوانوں کی
ہوگئی ہیں بیوہ
اب بھی بیویاں ہیں وہ
کچھ کو یہ خبر تک بھی
ہو نہیں سکی ہے کہ
کہہ رہی ہیں بس اتنا
لا الہ الا اللہ
کہہ گیا، کہا جیسے
یہ سبھی، مگر کیسے
کس زباں پہ لاؤں کہ
میری ماؤں، بہنوں کو
عصمتیں لٹانے کی
آزمائشوں سے بھی
پڑ گیا گزرنا آج
لا الہ الا اللہ
لا الہ الا اللہ

۳۔ فلسطینی مجاہد کی زباں سے

فلسطینی مجاہد ہیں
ہمیں کب تم نے سمجھا ہے
ہمیں کب تم نے پرکھا ہے
ہمارے بازوؤں میں

دم بے حد زیادہ ہے
تمہارے اسلحے کے زور سے
ہمارے ہاتھ خالی ہیں
ہر اک ہتھیار سے
لیکن ابھی ان میں وہ قوت ہے
جو خیبر میں نظر آئی
جو خندق اور احد میں تھی
جو وافر تھا مقابل میں یزیدوں کے
حسینؓ ابن علیؓ کے پاس کربل میں
میں ہماری مائیں، بہنیں اور بچے
سارے بے گھر ہیں
مگر وہ حوصلہ اب بھی مصمم ہے
جو شام و کوفہ کے زندان میں بھی سرخرو تھا
دوبدو تھا جبر و ظلمت سے
فلسطینی مجاہد ہیں
ہمیں کب تم نے سمجھا ہے
یہ بھی ہم جانتے ہیں
ہم کو چنگل میں تمہارے ڈال رکھا ہے
ہمارے ہم نشینوں نے
ہماری نسل کے لوگوں نے ہی
کسی نے بادشاہت پر
کسی نے نوجوانی کو
بڑھاپے کے بغل میں بھینچ لینے کو
فلسطینی مجاہد ہیں

ہمیں کب تم نے سمجھا ہے
کہ ہم آغوش مادر سے براہ راست جاتے ہیں
خود ہی آغوش سنگر میں
اذاں کے بعد گولی کی صدا یہ کان سنتے ہیں
فلسطینی مجاہد ہیں
ہمیں کب تم نے سمجھا ہے
ہمیں معلوم ہیں وہ لوگ بھی
جو دشمنوں کی گود میں بیٹھے
ہمارا نام لیتے ہیں
دلاسہ ہم کو دیتے ہیں
وہ مکاری کے ماہر ہیں
بڑے چالاک و شاطر ہیں
مگر یہ جان لو تم سب
کہ یہ بازی ہماری ہے
بالآخر ہم ہی جیتیں گے۔
ہمیں معلوم ہے سب کچھ
فلسطینی مجاہد ہیں
ہم پر ہر پل کے شاہد ہیں
ہمیں کب تم نے سمجھا ہے۔

(۱۵ مئی ۹۸ء شب)

۴۔ غزل

بہنے سے ہیں زندہ کبھی مرتے نہیں دریا
بل کھاتے ہیں مڑتے ہیں یہ جھکتے نہیں دریا
نیلم ہے کہ جہلم ہیں رواں حسن کے دم سے

ہو حسن کا دم تو کبھی تھکتے نہیں دریا
کشمیر تیرے غم میں رواں اشک ہیں دونوں
یہ کس نے کہا تھا کبھی روتے نہیں دریا
دریا ہے تو دریا وسمندر سے ہے رشتہ
نالوں میں کبھی خود سے اترتے نہیں دریا
دریاؤں میں اور عشق میں نسبت تو یہی ہے
مرتا نہیں ہے عشق بھی، مرتے نہیں دریا
اشکوں کو کمیل آنکھوں میں روکو گے تو کیسے
بہنے کا عمل ہیں یہ سمٹتے نہیں دریا

(یکم ستمبر ۲۰۰۷ء مظفر آباد)

۵۔ فلسطین

اک درد ہے پہلو کا فلسطین فلسطین
اک زخم ہے آہو کا فلسطین فلسطین
محدود ہیں مسدود ہیں صیہونی حدیں سب
اور نام ہے خوشبو کا فلسطین فلسطین

(۶) کشمیر:

اپنا کہہ کر
ظلم کرے وہ
مجھکو بھی
کشمیر سمجھ لو۔

(۷) سعید گوہر:

سعید گوہر اردو اور پشتو کے ممتاز شاعر، ادیب، مترجم، کالم نگار، ڈارمہ نویس محقق اور نقاد ہیں۔(۱۲) اردو اور پشتو کے معروف منفرد شاعر وادیب پروفیسر رب نواز مائل کے چھوٹے بھائی ہیں۔

ان کا اردو مجموعہ کلام ''پس دیوار'' ۱۹۸۵ء میں طبع ہوا۔ کئی اور کتابیں بھی شائع ہوچکی ہیں۔ دو در جن کے

قریب کتابیں اشاعت کی منتظر ہیں۔ بعض کتابوں پر ایوارڈ بھی حاصل کیے ہیں۔ علمی وادبی سرگرمیوں میں پیش پیش رہتے ہیں۔ گذشتہ سال ۱۵، ۱۶ جون ۲۰۰۸ کو سعید گوہر کی پشتو ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر لورالائی میں عالمی سیمینار اور عالمی مشاعرہ کا انعقاد ہوا جس میں افغانستان، صوبہ سرحد، عرب امارات اور بلوچستان بھر کی نامی گرامی ادبی شخصیات نے انہیں منثور ومنظوم خراج تحسین پیش کیا۔ اس حوالے سے سعید گوہر کے فن وشخصیت پر عنقریب کتاب شائع ہو رہی ہے۔ موجودہ مقالے کے حوالے سے انکے پشتو کلام سے ترجمے پیش کیے جا رہے ہیں۔ (۱۳)

(۱) میں یاسر عرفات ہوں

حضرت موسیٰ جیسا چرواہا مویشیوں اور انسانوں کو سیدھی راہ پر لاتا ہے
تاریخ نے نہ فرعون کی تعریف کی ہے نہ ہامان اور قارون کی
میں اپنی نظر اور نظریئے کے مطابق زندگی چاہتا ہوں
میرے جیسے لوگ موت کے معانی بدل دیتے ہیں
مزاحمت میری سرشت اور احتجاج میرا مزاج ہے
میری آنے والی کل یقیناً گزشتہ کل سے مختلف ہوگی
مجھے اپنے لوگوں کے لیے آزادی درکار ہے
گل لالہ کی طرح میں اپنے آپ کو خون میں رنگ دینا چاہتا ہوں
میری مٹی کا مقدر، غلامی نہیں ہو سکتی
میرے لوگوں کا نصیب روشن مستقبل ہے
میری دھرتی پر نوجوان سردی کی فصل بو رہے ہیں
میری زمین پر لہو پانی کی طرح بہتا ہے
میں ریشم سے زیادہ نرم ونازک اور فولاد سے زیادہ سخت اور مضبوط ہوں
میرے ایک ہاتھ میں بندوق اور دوسرے میں زیتون کی شاخ ہے
میں آخری نبی (حضرت محمدؐ) کو محبت کا پیغمبر مانتا ہوں
میں آخری کتاب (قرآن مجید) کو رہنمائے انقلاب تسلیم کرتا ہوں

سنجلب کے بستر کے مقابلے میں میں توپ کے سامنے کھڑا خوش ہوتا ہوں
غلامی کی زندگی سے میں عزت کی موت کو فخر سمجھتا ہوں
میں اپنی سرزمین کا محافظ ، اپنے وطن کا سپاہی ہوں
خاموشی میں بھی میں انقلاب کا نعرہ اور استعارہ ہوں
میری موت بھی، آنے والے انقلاب کی نوید ہے
میری موت بھی آئندہ اٹھنے والی تحریک کی علامت ہے
میری قبر سے، نئ تاریخ کا سورج طلوع ہوگا
میری موت سے مطمئن اور خوش مت ہو
اے اسرائیل: جب تک بیت المقدس آزاد نہیں ہوگا
فلسطین کا بچہ بچہ (تیرے لیے) یاسر عرفات ہوگا

(تخلیق وترجمہ سعید گوہر)

۲۔ اے اکیسویں صدی

جب آدمی نہ رو سکتا ہو نہ کھل کے ہنس سکتا ہو
ایسے حال میں تو زندگی مشکل ہو جائے گی
انسان کو تو محبت ، اپنائیت اور ربط وتعلق درکار ہے
عزت اور وقار کے ساتھ زندگی درکار ہے
انسان اپنا تشخص اور نام و نشان چاہتا ہے
امن واماں چاہتا ہے
مگر یہاں تو ایک اور تماشا ہے
گریباں محفوظ ہے نہ ناموس وغیرت محفوظ ہے
انسان محفوظ ہے نہ اس کی عزت محفوظ ہے
نہ شہر محفوظ ہے نہ گھر اور گلی محفوظ ہے
نہ عدالت محفوظ ہے نہ مسجد محفوظ ہے
دہشت گردی اور تخریب کاری جاری ہے
سیاست کی ریاکاری اور عیاری جاری ہے
ہمارے اردگرد جو رات طاری تھی، وہ جاری ہے

اے اکیسویں صدی!
ایسے حال میں تو جینا مشکل ہے
جب آدمی نہ رو سکتا ہو نہ ٹھیک طرح ہنس سکتا ہو
جب وہ نہ موت کو اپنا سکتا ہو اور نہ زندگی کر سکتا ہو

(تخلیق و ترجمہ: سعید گوہر، ۱۷اپریل ۱۹۹۸ء)

۳۔ نیا سال

جینے والو! مبارک ہو، نیا سال مبارک ہو
دیدہ درو! تمہیں ماضی جیسا زمانہ سال مبارک ہو
وقت گزرتا ہے، وقت بدلتا ہے مگر ہم پر وہی موسم ہے (کہ جو تھا)
وہی بھوک ، وہی پیاس، وہی غم، وہی ماتم ہے
محرومی ہے، مایوسی ہے، بے کسی ہے، غریبی ہے
ہمارے حصے میں لاحاصل اور بے وقار زندگی ہے
اردگرد آگ لگی ہے، ایک دھواں دھواں ماحول ہے
ہر آدمی ڈرا ہو، ہر گھر میں موت کا خوف وہول ہے
ہم اچھی زندگی کی آس لیے گولیوں کی بارش میں بیٹھے ہیں
ہم وحشت اور دہشت کی آگ کے درمیان، امن مانگتے ہیں
مجرم ہمارے منصف اور ظالم ہمارے حاکم ہیں
یہ انسان نہیں ہیں بلکہ آدم خور درندے ہیں
ہرشہر، ہر بازار میں موت کا کھیل جاری ہے
افراد کے حقوق نہیں مگر نشہ اور اسلحہ فراوانی سے دستیاب ہیں
ایک تشدد کا جنگل ہے ایک دشمنیوں کا دوزخ ہے
وطن نہیں ، باغیوں کی آماجگاہ ہے
لوگو ! ہمیں ایک دوسرے کو قتل کرنا پڑے گا
عصمتیں غیر محفوظ ہیں، بدکاریوں کا بازار گرم ہے

نہ الفاظ میں (اظہار کی) قوت ہے نہ معنی کو شرم آتی ہے
ہمارے پھولوں جیسے بچے گندگیوں میں رزق تلاش کرتے ہیں
مگر نہ زمین درمیان شق ہوتی ہے، نہ آسمان ہمارے حال پر روتا ہے

(تخلیق وترجمہ: سعید گوہر: ۱جنوری ۱۹۹۶ء)

۴۔ میرے وجود کو ٹکور چاہیے (بیسویں صدی کی آخری رات)

جیسے سناٹا ہی سناٹا ہو
کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دیتی
لیکن میرے اندر دھماکے ہو رہے ہیں
بہت ہی سکون ہے لیکن بڑی بے سکونی ہے
باہر سے سالم مگر اندر سارے کا سارا لہولہان اور ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہوں
میری ذات میں کربلا زندہ ہے
کاش مجھ میں کابل کی تباہی و بربادی نہ ہوتی
کاش مجھ میں کوسوو اور کشمیر نہ بسے ہوتے
کاش مجھ میں فلسطین اباسین (دریائے سندھ) کی طرح نہ بہتا
میرے وجود کو بہت سی چوٹوں کے بعد ٹکور چاہیے
چاہے وہ قبر کی طرح تنگ ہو مگر اسے پرامن گھر کی طلب ہے

(تخلیق وترجمہ سعید گوہر: ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء)

۵۔ ایک پشتو غزل کے پانچ اشعار

اگر میں زندگی کے ہاتھوں دکھی ہوں تو کیوں دکھی ہوں
اگر کشمیر خون میں سرخ ہوتا ہے تو میں کشمیر کیوں ہوں
میرے وجود کو اتنی لکیروں میں کس نے تقسیم کر دیا ہے
میں افغانستان ہوں کہ چیچنیا ہوں، ماتم پر مجبور کیوں ہوں
اگر میں پرندہ ہوں تو مجھے پرواز سے کون روکتا ہے
اگر میں صیاد نہیں ہوں تو کسی کے دام میں نخچیر کیوں ہوں
کس نے دیوار کی طرح مجھے اپنے راستے میں کھڑا کر دیا ہے

یہ میں دروازہ کیوں نہیں ہوں، یہ میں زنجیر کیوں ہوں
گھٹیا دشمن مری دستار سے کھیل گیا
میں ضمیر کا قیدی، بے ضمیر کا قیدی کیوں ہوں

(تخلیق وترجمہ: سعید گوہر: ۸ مئی ۱۹۹۶ء)

۶۔ چند پشتو مزاحمتی اشعار

دل کے اندر خوف اور جیب میں چاقو رکھا کر
اس وحشی جنگل میں اپنی حفاظت ضروری ہے
سعید گوہر ہم نئے عصر کے بیدار شاعر
غزل لکھتے ہیں تو اسمیں زندگی کا منظر نامہ پیش کرتے ہیں
میری غزل نہ تھی، محبت لہو لہو تھی
(میری) شاعری نہ تھی، درحقیقت ظلم سے بغاوت کا اعلان تھا
انسان کے کردار کا ایک نہ ایک پہلو مثبت ہونا چاہیے
تو اگر سولی پر نہیں چڑھ سکتا تو محبوبہ کی زلفیں ہی تھام لے
میں تیرے قربان اتنا گھبرایا مت کر
رات سحر رکھتی ہے، پیارے! صبح ہو جائے گی
سیاست نہ تھی گوہر (سراسر) استحصال تھا
ہم پر "ظلم ازم" کا تسلط تھا
یلغار تھی، شبخون تھا، عزتیں غیر محفوظ تھیں
مگر شہر میں پہرے کے لیے ایک بھی سپاہی موجود نہیں تھا
ہم نے حالات کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کیا
اے خدا ہم نے خنزیر فرعون کو سجدہ نہیں کیا
میرے ہاتھ ٹوٹ جائیں، یہ یزیدوں کی قبا تک نہیں پہنچتے
میرے زخمی احساس تک کربلا کی تلمیح بھی نہیں پہنچتی
میں جب اپنے تصور کا ایک لہو میں سرخ دشت بن جاتا ہوں

جب ایک پیاسی کربلا بن جاتا ہوں، تب غزل کہتا ہوں
غریبوں کا حق، چند لوگوں نے غصب کیا ہے
خدا کی تقسیم میں کسی کا بھی حصہ کم نہیں تھا
ہمارا ہر لفظ زندگی کے ادب کی تصویر ہے
ہم پتھر کو چہرے دینے والے فنکار ہیں
جب تک سر موجود ہے ہم شکست نہیں مانتے
نہ ہم پسپا ہوتے ہیں نہ تیرے سامنے تلوار اور ڈھال رکھتے ہیں
میں تلوار سے کٹا کٹا خوش ہوں، شکست سے ناخوش
میں ظلم کے آگے سر جھکادوں، یہ میں نہیں مان سکتا
احتجاج کی کالی پٹی میں نے سرِ جبیں باندھی ہے
ناروا ظلم کے خلاف میں پھر سڑک پر دھرنا دیئے بیٹھا ہوں

(۸) دانیال طریر

نوجوان شاعر دانیال طریر جناب سعید گوہر کے صاحبزادے ہیں۔(۱۴) شاعری کا شوق ورثے میں پایا۔ پہلا مجموعہ کلام ''آدھی آتما'' ۲۰۰۵ء میں چھپا۔ دوسرے زیرِ طبع ''مجموعہ معنی فانی'' سے انتخاب پیشِ خدمت ہے۔

ا۔ مزاحمتی اشعار

ہم کو اندازہ نفرت نہیں ہوتا شاید
ہر طرف آگ لگائی نہیں جاتی جب تک
دیکھیے کتنے دیئے اور جلیں اور بجھیں
شہر کی راکھ اڑائی نہیں جاتی جب تک
مجھ کو بھی نیند نہ آئے گی ترے عہد کو بھی
خاک میں رات ملائی نہیں جاتی جب تک
زمیں سب کچھ اگانا چھوڑ دے گی دیکھ لینا
ہمیشہ راج دنیا پر اگر دہشت کرے گی
مری آنکھیں بجھادے گی تو دل بینا کروں گا

مقابل ڈٹ گیا تو کیا مرا ظلمت کرے گی
سماعت اور سامع دونوں زندہ ہیں کہ اک دن
کوئی آواز خاموشی کو بھی رخصت کرے گی
مرے تو کھیت تھے، سینے تھے، گھر تھے
زمیں چیخوں بھری میری نہیں تھی
دیا میرے لہو سے جل رہا تھا
فضا کی روشنی میری نہیں تھی
اندھیری رات میں بجھتے دیئے کس نے دیئے ہیں
ہمیں یہ تیرگی کے راستے کس نے دیئے ہیں
دعائیں اوک سے کس نے اٹھالی ہیں ہماری
ہمیں بارود بھر کر تجربے کس نے دیئے ہیں
سفر کس سمت ہونا چاہیے تھا کس طرف ہے
اشارے رہنمائی کے لیے کس نے دیئے ہیں

۲۔ عجائب

عجب گھٹا تھی
لہو بہاتی
عجب ہوا تھی
تمام رستوں میں ناچتی اور موت گاتی
عجب دعا تھی
جو لوٹتی تو ہزار رہا کرگسوں کو بھی اپنے ساتھ لاتی

عجب قبا تھی

قریب آتی تو اپنی ہر اک ادا سے ہم کو فنا دکھاتی
عجب سزا تھی
کہ پھر بھی غم سے پھٹی نہ چھاتی

۳۔ بے حسی:

ہم پتھر ہیں

اور ہمارے اٹھے ہوئے پتھر ہاتھوں میں
امن کے سبز علم پتھر ہیں

کون سنے گا

خاموشی میں گونجتی چیخیں کون سنے گا
برف تلے جلتی تصویریں پھولوں سے لپٹی زنجیریں
پتھر خوابوں کی دیکھیں پتھر تعبیریں

کون لکھے گا

کاغذ پر خوشبو تحریریں
پوروں بیچ قلم پتھر ہیں

(۹) پیر محمد زبیرانی:

پیر محمد زبیرانی نے ۱۹۵۵ء سے شعر و ادب کے میدان میں خاصا کام کیا۔(۱۵) کئی کتابیں شائع ہوئیں۔ ایک ترجمہ کردہ کتابچہ ''براہوئیگیں'' (کلام اقبال) ۱۹۷۸ء میں چھپا۔ ''ارمغان حجاز'' (اقبال) کا منظوم براہوئی ترجمہ اشاعت کا منتظر ہے۔ پیر محمد زبیرانی نے براہوئی اور بلوچی میں فکر اقبال کو اپنایا ہے۔

۱۔ غزل: (ترجمہ عبدالستار شاہوانی) بلوچی سے ترجمہ

آ اے آج ایک شعر گائیں، موسم بہار ہے ایک پھول چن لیویں اس وقت
آ لالہ گلوں کے میدان کی طرف چل پڑیں، دو چار قدم محبوب کے ساتھ چل پڑیں اس وقت
بادلوں کی اوٹ میں سے بجلی خندہ زن ہے
کچھ دیر ہم بھی آپس میں خندہ زن ہو کر رہیں اس وقت

آ کہ دنیائے دو رنگی آج ایک رنگ ہو کر رہ گئی ہے
سات رنگیں قوس قزح سے لے کر رہیں اس وقت
جبکہ بادلوں نے اپنے دل کے اندر والے انگاروں کو نکال باہر کیا ہے
ہم بھی اب آج اپنے دل کے اندر والے انگاروں کو نکال باہر کریں اس وقت
آ کہ بجلیوں کی روشنی سے جہاں روشن ہو گئی ہے
چراغوں کی روشنی کے لیے ہم کیوں ادھر ادھر دوڑتے پھریں اس وقت
اگر بادلوں کی اوٹ میں سورج بند ہے (کی روشنی)
ہم اپنے دل کے چراغ کو پھر کیوں نہ روشن کریں اس وقت
اپنے زلفوں کو زامر (ایک پہاڑی بیل) نے بل دیکر گوندھا ہے
آ اے دل ہم بھی بل کھاتے پھریں اس وقت
آ اے نازنین پیرل تمہارے دیکھنے کے لیے منتظر ہے
کیونکہ اس عارضی زندگی سے کچھ حصہ تو حاصل کریں اس وقت

(اویس بلوچ: کوئٹہ، مارچ)

(۱۰) ممتاز یوسف:

بلوچی کے غزل گو اور نظم گو نوجوان شاعر جو بلوچی اکادمی کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ جدید بلوچی ادب کے متعلق قاعدہ کے مطابق ایک رسالہ بھی شائع کر رہے ہیں۔ ممتاز یوسف (بلوچی سے ترجمہ) مترجم یوسف عزیز مگسی

ا۔ پیغام

اے مرے دوست ودلنشین ساتھیو
کون ہے
تم سے
جو اٹھا لے جائے بوجھ دل کا
میرا
اور پہنچائے کسی مرقد تک
کہ دور بھاگتی ہے

قوت و برداشت مجھ سے
لذت زندگی
روح کی عمیق گہرائی میں
جا گرا
خشک آنکھوں کے جھرنے
یا خون دل کے چشمے
رہ گئے ہیں پیاسے
بخشے نہ روشنی شعور مجھ کو
کہ بے خوابی شب مجھے
دور لے جائے
نیند سے
ہمسفر ایک دوزخ ہے، صبح نسیم کا میرے
کس رنگ میں ہے، آ دیکھ ذرا
آتشین سنگتی، موج بحر کا
سرد اور یخ بستہ یوں ہے
جیسے سرما ہے کوئٹہ کا
موسم پچ رنگ میں
اور آج کل ملک الموت
پھر گھمنڈ اور پھر غرور
سرھانے بیٹھا ھے مرے
محو تماشا ہے ٹوٹتی سانسوں کے
اے مرے دوست دلنشین ساتھیو
کوئی ایک بھی نہیں
تم سے

کہ تلاوت کرے، با آواز
یسین یا سورت کوئی

(ماہنامہ سنگت کوئٹہ)

(۱۱) افضل مراد:

افضل مراد کا اکیڈمی ادبیات اسلام آباد سے تعلق ہے(۱۶) اور وہ اسی کی کوئٹہ برانچ کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر ہیں۔ آپ شاعر، ادیب، مترجم اور ڈرامہ نگار ہیں۔ پانچ براہوئی شعری مجموعے، دو اردو شعری مجموعے اور شخصیات (بابو عبدالرحمٰن کرد، ڈاکٹر عبدالرحمٰن براہوئی، پروفیسر نادر قمبرانی، جباریار) پر چار کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

کشمیر کے لیے: ہمارا دکھ ایک سا ہے (تخلیق و ترجمہ: افضل مراد)

میری دھرتی کا میرے بولان کا
اور تیرا غم ایک سا ہے
تیری بھی تاریخ لہو کی داستانوں سے
بھری ہوئی ہے
اور میری بھی لہو کا خراج دیتے
آگے بڑھ رہی ہے
تجھے بھی تیری خوبصورتی حسن جنت نظیر
اور لازوال مالامال دولت کے باعث
غاصبوں نے پابۂ زنجیر کیا ہے
اور میری زمین بھی کچھ قوتوں کو
سونے کی چڑیا دکھائی دے رہی ہے
میرے بھی حسن، خوبصورتی اور ہجر و وصال کے گیت
اب جلتی ہوئی کہانی اور
نوحے بن رہے ہیں اور تیرے بھی گیت
آؤ آج اپنے دکھوں کا اشتراک کریں
جذبات کی تسکین کا سامان بنیں
اور دشمن کو یہ بتا دیں جتلادیں۔

کہ دنیا بھر کے محکوم اور مظلوم
ایک طرح سوچتے ہیں
ایک ساتھ ہیں، ایک ساتھ ہیں

۲۔ چاندگرہن افضل مراد (ترجمہ: نیلم موصل) (براہوئی سے ترجمہ)

بہت پہلے جب انسان
تہذیب کا دعوی دار نہیں تھا
ڈرے سائے سے
دور بھاگتے ہوئے
اکھٹے ہوتے
پھر
قانون کی زنجیروں نے
بے بس اور مظلوموں کو جکڑ لیا
امیر، غریب، چھوٹا، بڑا
اصل اور کم اصل کے فرق نے جنم لیا
انسان
تفریق ہوئے
اور یوں ہوا کہ
چیزیں، رشتے، باتیں اور لوگ پھیکے پڑ گئے
ان کی ذات ٹکڑوں میں بٹ گئی
تہذیب کے دعوی دارو
اب ایک نئے امتحان کی تیاری کرو

(۱۲) وحید زہیر:

آپ قلات کے باسی ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ براہوئی کے معروف شاعر اور ادیب ہیں۔ صوبائی محکمہ اطلاعات میں افسر ہیں۔ اردو میں بھی خوب لکھتے رہے، ریڈیو اور ٹی وی کے لیے براہوئی میں اچھا خاصا لکھا ہے۔ آپ کے بعض اردو تراجم کے حوالے براہوئی سے اردو تراجم از ڈاکٹر انعام الحق کوثر (اسلام آباد، ۱۹۸۷ء) میں موجود

ہیں۔اب تک براہوئی میں چار کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ان میں سے ایک کتاب ای ءاقبال (میں اور اقبال) ہے۔☆
کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں علامہ اقبال کے حالات زندگی ان کے خاندان، ہندو مسلم فسادات اور ان میں اقبال کا سیاسی کردار یورپ میں تعلیم، سفر افغانستان، بیماری کے ایام اور وفات کے ذکر کے علاوہ مختلف تصانیف اور اہل قلم کے تاثرات دیے ہیں۔ دوسرے حصے میں علامہ اقبال کے فکر وفن جیسے فلسفہ خودی، فلسفہ حیات، مرد مومن، نوجوانوں سے خطاب، مزدور، کاشت کار، دہقان، سرمایہ دار، عورت کا مقام اور فقر وغیرہ کو آسان اور شستہ زبان میں پیش کیا ہے۔اس کتاب میں وحید زہیر صاحب نے ملی اور قومی انداز فکر کا اپنایا ہے۔ یہ براہوئی میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔جس پر مصنف یقیناً مبارک باد کے مستحق ہیں۔

پہیہ جام

قریب المرگ مریضوں کو دوا نہیں ملی
دودھ کو ترستے شیر خوار بچے
بیمار ماؤں کے تھنوں سے الجھے
بلکتے رہے۔
چھابڑی والے اپنے پھلوں کو
باسی ہوتے سڑتے دیکھتے رہے۔
آسمان کی طرف دیکھ کر کڑھتے رہے۔
غبارے بیچنے والا بابا اپنے غباروں سے
کھیلتا رہا۔
ہم اپنے گھروں میں ٹی وی کی بریکنگ نیوز کے رسیا،
گولیوں سے چھلنی جسم، برتنوں کے انبار بننے کا عمل دیکھتے رہے۔
روتے ہے...... سوچتے رہے
اے دیہاڑی لگانے والو، راج مزدورو
پھر سے فاقہ کرلو

☆ پبلشر قریشی پبلی کیشنز۔ چوک مشن روڈ کوئٹہ اور تعاون براہوئی ادبی سوسائٹی بروری روڈ کوئٹہ، مطبع یونائٹڈ پرنٹرز۔ وزنگی رام روڈ کوئٹہ سن اشاعت جولائی ۱۹۸۹ء صفحات ۱۱۰ لکھائی چھپائی معیاری۔

شہر بھر میں کل سے پھر پہیہ جام ہوتا ہے۔

(۱۳) پروفیسر عزیز مینگل:

معروف دانشور، شاعر اور محقق پروفیسر عزیز مینگل ان کی مشہور کتاب ہے: پنجابی براہوئی لسانی رشتے، کوئٹہ ۱۹۹۵ء۔

ہراساں ہراساں رہتا ہوں ہر دم

(عزیز مینگل)

ہوش سنبھالتے ہی تمہیں پڑ گئی ہوس
دولت کی تمہیں پڑ گئی لت
برپا کر دیا اک قہر تو نے سماج میں
لوٹ مار اور نفرت کا
سلگائے تو نے انگارے
دین کے نام پر
ذات پات
مسلک و برادری
قریہ قریہ گاؤں گاؤں
زبان و علاقہ
کیا کیا دھوکے نہ دیئے تو نے
یتیم و بیوہ ولا چار کی
مثل خنزیر ہو گیا ہے تو
آنکھوں پہ چربی تیرے چڑھ گئی ہے
دن رات ٹھونسے جا رہا ہے تو

(۱۴) حیات غم خوار

نوشکی کے نوجوان شاعر ہیں۔ مزاحمتی رویہ رکھتے ہیں، حالات حاضرہ پر بہت خوبصورت انداز میں

اظہار خیال کرتے ہیں۔

۱۔ اے فلسطینی بچہ

براہوئی ادب سے، (تخلیق غمخوار حیات، ترجمہ: مطلب مینگل)

اے فلسطینی بچے
میں ساتھ ہوں
تمہارے زمین کی دکھ میں
ہو جاؤ تم بھی شامل میرے یاسمین کے درد میں
اے فلسطینی بچے
درد کی طرح میرا درد بنا
ہوں شکار ظلم کا اک زمانے سے
میں بھی تو ظالم کے ظلم کا مارا
اے فلسطینی بچے
آج تمہارا راستہ کتابیں خون سے بھرے ہے
کھیل کے میدان میں بھی
بارود بھرے ہیں
یہاں بھی راکھ بنے ہیں
ہر جگہ خیمے ہمارے
اے فلسطینی بچے
میں نے تیرے پھول جیسے چہرے پر
دیکھا ہے زخم جگہ جگہ
سنا ہے تمہاری چیخ و پکار
میں بھی تو تمہارے معصوم چیخوں
کی گرداب میں زندہ ہوں
اے فلسطینی بچے

تیرے دل پہ ظالموں نے زخم چھوڑا ہے گولی سے
یہاں بھی روح زخمی ہے
زرینہ مری کا دل ٹوٹتا ہے
اے فلسطینی بچے
تمہارے وطن میں ساز و موسیقی نہیں
مردہ فریادہ ہے
جیٹ وراکٹ فاسفورس بموں کی بارش
مجھ پر بھی
برسا ہے آہن اور آگ
اے فلسطینی بچے
میں ساتھ ہوں تمہارے زمین کے دکھ میں

(ترجمہ مطلب مینگل)

(۱۵) پروفیسر طاہرہ احساس جتک:

آپ خضدار گرلز کالج میں اردو پڑھاتی ہیں۔(۱۸) براہوئی کے علاوہ اردو اور بلوچی میں با قاعدہ شعر کہتی ہیں۔ اب تک چار مجموعے شائع ہو چکے ہیں خضدار میں علمی ادبی ماحول کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ریڈیو، ٹیلی وژن، اردو اسٹیج پروگراموں میں نمائندگی کرتی ہیں۔ اردو شعری مجموعہ زیر ترتیب ہے۔

ا۔ فلسطین کی آواز

ہر دن نئی بلا سے ہے پالا پڑا ہمیں
ہر رات نیا تیر ہوا دل کے آر پار
یہ ہے ہمارے آباؤ اجداد کا وطن
کہ جس میں نہیں چین کسی کو بھی قرار
ہر چہرے پہ ہے یاس کے آثار ہر گھڑی
عقل وخرد کا سارا اثاثہ ہے نذر تار
جوروستم میں جکڑے ہزاروں ہیں بیگناہ

بے رحم چرخ دیکھ تشدد کے ہیں شکار
ماتم ہے اپنے ماضی کے جاہ وجلال کا
کیا دور تھا وہ سب کے لیے ایک شاندار
وہ آفتاب ڈوبے ہیں جو ضوفشاں تھے
تاریکیوں نے ڈالے ہیں ڈیرے سر بازار
تقدیر سر سے پاؤں تک ہے خون میں ڈوبا
پھر نہیں پوشاک حوصلوں کے تار تار
شوریدہ جوانوں کے لہو سے ہے چراغاں
کرتے ہیں ہر مقام پر جو زندگی نثار
جلتا ہے شب وروز ہمارا یہ آشیاں
ہر سمت نظر آتا ہے بارود کا غبار
تقدیر دبے پاؤں کسی روز آئیگی
احساس نگاہیں ہیں فقط محو انتظار

(۱۶) حمیرا صدف

حسنی کینٹ گرلز کالج کوئٹہ میں فلسفہ کی استاد ہیں۔(۱۹) براہوئی زبان میں دوشعری مجموعے، ایک خواتین کی لوک شاعری کی تحقیق اور افسانوں کی کتاب شائع ہوچکی ہے۔ مسلسل اور باقاعدہ لکھ رہی ہیں۔

۱۔ میرا جرم کیا ہے

میں معصوم گل
اور نازک کلی ہوں
میں مہر ومحبت
میں ہی دوستی ہوں
نہ ہی دشمنی کے میں معنی سے واقف
میں کھیل اور کھلونوں میں
میں ہنستا ہوا

کھلکھلاتا ہوں ہر دم
میرے دوست سارے
یہ پھول اور تتلی
میں قدرت کا تخلیق ہوں خوبصورت
میں ممتا کی خوابوں کی
تعبیر بھی ہوں
میں دولت ہوں قوموں کی
جاگیر بھی ہوں
میں پریوں کی وادی میں
سویا ہوا تھا
سروں میں، میں لوری کی
کھویا ہوا تھا
اچانک ہی جیسے فضا چیخ اٹھی
میری جان پر
کس نے یلغار کر دی
میں چاہت کی بولی کا حقدار تھا پر
مجھے آگ نے اپنے شعلوں میں لپٹا
میرے تتلیوں کے وہ نازک سے پر اور
میرے پھول کلیوں کو جلسا کہ رکھا
سو پوچھتا ہے یہ معصوم بچہ
ہے کیسی عدالت یہ انصاف کیسا
یہ بے موت مجھ کو کفن کس نے اوڑھایا
کیا میں نے کیا ہے
میرا جرم کیا ہے

(۱۷) صاحبزادہ حمید اللہ:

پروفیسر صاحبزادہ حمید اللہ ضلع پشین کے گاؤں فیض آباد میں ۱۹۳۷ء میں عبد الرحمان صاحبزادہ (۱۳۰۵ھ/۱۸۸۷ء......۴ستمبر ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء آپ تفسیر، حدیث، فقہ، صرف ونحو عربی فارسی، منطق، ریاضی، حکمت، تجوید وقرات وغیرہ میں اچھی خاصی نظر اور مہارت رکھتے تھے۔ آپ علم کی پیاس بجھانے قندھار بھی گئے تھے، حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ ساری زندگی ان کا شعار پرہیز گاری اور تقوی رہا۔تحریک پاکستان میں بھی حصہ لیا تھا۔ ایک بہت اچھا کتب خانہ جس میں قلمی نسخے بھی ہیں یادگار کے طور پر موجود ہے۔) بن ملا محمد قاسم صاحبزادہ بن ملا رحمت اللہ اخوند بن ملا خوشحال اخوند (صاحب حال بزرگ) کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ کاکڑ قبیلے کی ذیلی شاخ ترغرئی کی ذیلی شاخ احمد خیل اور پھر احمد خیل کی ذیلی شاخ حسن زئی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صاحبزادہ حمید اللہ نے اردو، عربی، فارسی، اسلامیات، تاریخ اور سیاسیات میں ایم۔اے کیا ہے۔ پہلے چار مضامین میں سیکنڈ ڈویژن حاصل کی۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں۔ متعدد مضامین پشتو اور اردو میں شائع ہو چکے ہیں، آپ کی ذاتی لائبریری میں مطبوعہ کتب کے علاوہ عربی، فارسی اور پشتو کے مخطوطات موجود ہیں۔ جن کی تعداد سو سے زائد ہے۔ آپ پشتو، اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں شعر کہتے ہیں۔ آپ پشین کی ہی نہیں بلوچستان کی عظیم شخصیت ہیں۔

آپ کے مجموعہ کلام ''رگ گل'' (کوئٹہ ۲۰۰۸ء) میں فلسطین اور کشمیر سے متعلق کئی مزاحمتی نظمیں موجود ہیں۔ جن کے اشعار کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے۔ نمونے کے طور پر درج ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیے۔ (۲۱)

زمین برکتوں کی بھی ہاتھوں سے نکلی ۔۔۔ جو بیت المقدس کے چاروں طرف تھی
جو بیت المقدس گیا پھر رہا کیا ۔۔۔ اٹھو مسلمو! اب ہے بیکار جینا
گیا رقبہ چوبیس ہزار میل ان کا ۔۔۔ یہودی خوشی سے ہے اتراتا پھرتا
لڑے شامئی واردنی کس غضب سے ۔۔۔ شجاعت کو ہے خاص نسبت عرب سے
لڑے قدس میں مرد وزن بوڑھے بچے ۔۔۔ کیے خون اپنے رنگین کوچے
مسلمانو! عبرت کا سامان ہے یہ ۔۔۔ کرو غور تنبیہ یزدان ہے یہ
عرب دس کروڑ تھے یہود لاکھ پچیس ۔۔۔ جو نسبت تھی ان میں تو ایک اور چار
جو دس لاکھ جاتے عرب کے رضا کار ۔۔۔ یہودی ہر اک مرد ہوتا گرفتار
ہے مغرب میں جشن طرب خوب برپا ۔۔۔ شکست مسلمان پر خوش ہیں اعداء
شکست خوردہ سارے عرب ہوگئے ہیں ۔۔۔ مسلمان بدنام سب ہوگئے ہیں

عرب فوج پانچ لاکھ فوجی تھے جرار — مسلح تھے وہ ان کے اعلیٰ تھے ہتھیار
خدا سے تھے غافل مشینوں پہ تھا ناز — فراموش وہ کر گئے فتح کا راز
انہوں نے جو اسلام سے برتی غفلت — ہوئی چار دن میں بری ان کی حالت
ہے اسلام دین اور دنیا میں رہبر — اسی سے ہیں مسلم کے دارین بہتر
مسلمان نے اسلام کو جب بھی چھوڑا — تو اللہ نے اس سے رحمت کو موڑا
عرب اب وہ پہلے سے باقی نہیں ہیں — یہ اسلام و قرآن کے عامل نہیں ہیں
ہیں اسلام سے دور بد کے قریں ہیں — لہذا پریشان واندوہگیں ہیں
کوئی قومیت کی مصیبت میں پھنسا — کوئی اشتراکی تصور میں الجھا
یہ مانا کہ عیاری تھی کار فرما — یہ مانا کہ آئے عقب سے تھے اعدا
مسلم کہ انگریز وامریکہ تھے ساتھ — مسلم ہزار ان کے بمبار اڑے ساتھ
مسلمانوں کو پھر بھی لڑنا تھا ڈٹ کر — عدو ان کا جب تک نہ گر جاتا کٹ کر
کہا سچ مراکش کے شاہ حسن نے — سزا ہے یہ جو دی ہمیں ذو المنن نے
ہمارے یہ اعمال بد کی سزا ہے — ہمارا خداوند ہم سے خفا ہیں
مسلمان ہمیشہ ہی تھوڑے رہے ہیں — مگر سر عدو کا وہ پھوڑے رہے ہیں
وہ مغرب جو روشن دماغی کا تھا گڑھ — تعصب میں اسلام کے اتنا گیا بڑھ
اسے کفر و اسلام کی ہے جنگ کہتا — خوشی سے وہ پھولے نہیں ہے سماتا
ہیں سرگرم امداد روم اور لندن — ہیں بون اور واشنگٹن بھی مدد کن
کروڑوں روپے کے دیئے سب نے چندے — مگر ہم مسلمان ہیں زر کے بندے

''بلوچستان میں اردو، پشتو، بلوچی اور براہوئی مزاحمتی ادب''(پس منظر بیشتر فلسطین، کشمیر) پر ایک نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ مزاحمتی ادب کے محرکات کس طرح کے اور کیوں کر واضح، صاف اور شفاف نظر آتے ہیں۔ عورتوں، بچوں، جوانوں، اور بوڑھوں پر ظلم وستم اور جبر کی تصویر کشی کتنی اندوہناک، بھیانک اور اذیت ناک ہے۔ انسانی جذبۂ ہمدردی، اخوت، اور بھائی چارہ کی اہمیت ووقعت صفحہ قرطاس پر نمایاں طور پر اجاگر ہوئی ہے۔ حالانکہ دفاع وطن دفاع قوم اور حب الوطنی کے جذبے ہمیں کن کن راستوں سے ہلاتے، جلاتے اور جنجھوڑتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا بھر کی امن پسند اقوام کا ضمیر بھی بھٹک گیا ہے کہیں کھو گیا ہے۔ اور مجھے کہنے دیجئے کہ مر چکا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں اردو، لاہور ۱۹۶۸ء ص:۵۳۲،۵۳۔

۲۔ انور رومان، ویری ناگ، ہفتہ وار زمانہ، کوئٹہ ۱۷ ستمبر ۱۹۴۸ء۔

۳۔ تذکرہ مسلم شعرائے بہار، جلد دوم، کراچی ۱۹۶۷ء ص:۱۸۷ تا ۱۹۲۔

۴۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، علامہ اقبال اور بلوچستان، لاہور ۱۹۹۸ء ص:۱۷۲۔

۵۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستان میں تذکرہ اقبال، کوئٹہ ۲۰۰۵ء ص:۷۵۔

۶۔ روز نامہ جنگ کوئٹہ یکم نومبر ۱۹۹۳ء۔

۷۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچستان میں تذکرہ اقبال، کوئٹہ ۲۰۰۵ء ص:۳۹۔

۸۔ کلام شاعر بزبان شاعر۔

۹۔ کلام شاعرہ بزبان شاعرہ۔

۱۰۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچستان میں تذکرہ اقبال، کوئٹہ ۲۰۰۵ء ص:۷۷۔

۱۱۔ تخلیق و ترجمہ علی کمیل قزلباش۔

۱۲۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچستان میں اردو ادب کے سو سال اسلام آباد، ۲۰۰۹ء ص:۵۲۔

۱۳۔ تخلیق و ترجمہ: سعید گوہر۔

۱۴۔ دانیال طریر، ''معنی فانی'' زیر طبع مجموعہ کلام سے انتخاب۔

۱۵۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر بلوچستان میں تذکرہ اقبال، کوئٹہ ۲۰۰۵ء ص:۴۲،۴۳۔

۱۶۔ ایضاً

۱۷۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، علامہ اقبال اور بلوچستان، لاہور ۱۹۹۸ء ص:۲۳۱ (وحید زہیر)۔

۱۸۔ تخلیق و ترجمہ: پروفیسر طاہرہ احساس جتک۔

۱۹۔ تخلیق و ترجمہ حمیرہ صدف حسنی۔

۲۰۔ ڈاکٹر انعام الحق کوثر، بلوچستانی پشتو شاعری کے تراجم ۱۹۴۷ء تا حال، ادبیات، اسلام آباد، شمارہ ۱۹، ۱۹۹۲ء ص:۱۷،۲۔

۲۱۔ صاحبزادہ حمید اللہ، رگ گل، کوئٹہ، ۲۰۰۸ء ص:۱۲ تا ۱۵، ۸۸۔۸۹، ۱۶۲۔۱۶۳۔

القسم العربى

فلسطين فى شعر المقاومة العربى والاردى

ا.د. ابراهيم محمد ابراهيم